Tarjihaat ۲۰۲۶ جولائی ۔اگست ۔ ستمبر
Volume: VII July, Agust. Sept 2026
Issue: VII,VIII,IX
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
Online Research Jornal

ڈاکٹر شہباز حسین

Dr. Shahbaz Hussain

منٹو کا نوتاریخی شعور

(Manto's New Historicist Consciousness)

Abstract:

This research article examines Saadat Hasan Manto's short stories from the perspective of New Historicism, focusing on the complex relationship between literature, history, and power structures. New Historicism views history not as a fixed and neutral record of events but as a discourse shaped by political, social, cultural, and ideological forces. In this context, Manto's fiction is analyzed as an alternative historical narrative that challenges official and dominant versions of history by highlighting the experiences of marginalized individuals and suppressed communities. The study argues that Manto does not present history merely as political events or national achievements; rather, he explores how historical forces affect human lives, identities, bodies, and psychological experiences.Through the analysis of selected stories such as *Toba Tek Singh*, *Khol Do*, *Naya Qanoon*, *Das Rupay*, *Sharifan*, and *Hatak*, the article demonstrates how Manto exposes the realities of Partition, communal violence, colonial power, economic exploitation, gender oppression, and social inequalities. His characters, including the mentally disturbed, women, prostitutes, workers, and ordinary people, represent those voices that are often excluded from official historical narratives. The study concludes that Manto's fiction creates a parallel and resistant historical consciousness by presenting the personal experiences, sufferings, and struggles of common people. Thus, Manto's literary work becomes not only a reflection of history but also an active discourse that reinterprets historical realities through human

experiences and challenges the dominance of conventional historical narratives.

Keywords: New Historicism, Saadat Hasan Manto, History and Literature, Partition, Power Discourse, Marginalized Voices, Alternative History.

ادب اور تاریخ کے باہمی تعلق پر جدید تنقید نے غیر معمولی توجہ دی ہے کیوں کہ اب یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ ادب محض جمالیاتی اظہار کا نام ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے سماجی، سیاسی اور فکری ڈھانچوں کا فعال حصہ بھی ہوتا ہے۔ اسی فکری تناظر میں "نوتاریخیت" ایک اہم تنقیدی رویے کے طور پر سامنے آئی، جسے اسٹیفن گرین بلاٹ اور دیگر مغربی ناقدین نے بیسویں صدی کے اواخر میں متعارف کرایا۔ نوتاریخیت اس تصور پر مبنی ہے کہ تاریخ کوئی جامد، غیر جانب دار اور قطعی سچ نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا بیانیہ ہوتا ہے جو طاقت کے مراکز، ریاستی اداروں، سماجی طبقات اور غالب نظریات کے زیرِ اثر تشکیل پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تاریخ بھی ایک ہی متن ہے، جسے مخصوص طاقت کے نظام مرتب اور منظم کرتے ہیں اور جو اپنے اندر متعدد نظریاتی مفروضات اور سیاسی مفادات سموئے ہوتا ہے:

> "نوتاریخیت کے مطابق تاریخ محض حقائق اور
> واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک بیانیہ ہے یا کہانی
> ہے۔ تاریخی واقعات کو جو لوگ قلم بند کرتے ہیں
> وہ اپنے دور کے سیاسی اور سماجی حالات اور
> تعصبات کے حامل ہوتے ہیں، لہٰذا تاریخ کبھی بھی
> سوفیصد غیر جانب دار نہیں ہوسکتی"۔(۱)

اسی طرح ادب بھی تاریخ سے الگ کوئی خود مختار جمالیاتی مظہر نہیں بلکہ تاریخ کے ساتھ مسلسل مکالمے اور تعامل میں رہتا ہے۔ ادبی متون نہ صرف تاریخی حالات سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ وہ تاریخ کو نئے معنی بھی دیتے ہیں اور بعض اوقات سرکاری یا غالب تاریخی بیانیے کے مقابل ایک متوازی، مزاحم یا حاشیائی تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ادب کو تاریخ کا محض عکس نہیں بلکہ تاریخ کی تشکیل میں شریک ایک فعال ڈسکورس سمجھا جاتا ہے۔ نوتاریخیت، ادب اور تاریخ دونوں کو طاقت کے باہمی رشتوں، ثقافتی کوڈز اور سماجی بیانیوں کے تناظر میں پڑھنے کی دعوت دیتی ہے اور اس طرح تاریخ اور ادب کے درمیان موجود روایتی تفریق کو چیلنج کرتی ہے۔

Tarjihaat جولائی۔اگست۔ستمبر ۲۰۲۶
Volume: VII July, Agust. Sept 2026
Issue: VII,VIII,IX
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
Online Research Jornal
WORLD URDU RESEARCH & PUBLICATION CENTRE
WURNP

سعادت حسن منٹو اُردو ادب کے اُن منفرد اور جری افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے عہد کے اہم ترین تاریخی، سماجی اور نفسیاتی مسائل کو بے باک حقیقت پسندی اور غیر معمولی فکری جرات کے ساتھ موضوع بنایا۔ تقسیمِ ہند، فرقہ وارانہ فسادات، جنسی سیاست، طبقاتی ناہمواری، معاشی استحصال اور انسانی لاشعور کے پیچیدہ نفسیاتی رویّے منٹو کے افسانوی کائنات کے بنیادی اور مرکزی موضوعات ہیں۔ انہوں نے ان مسائل کو محض اخلاقی وعظ، جمالیاتی رومانویت یا سطحی حقیقت نگاری کے پیرائے میں پیش نہیں کیا بلکہ انہیں ایک ایسے تنقیدی اور سوال انگیز اسلوب میں پیش کیا جس میں غالب تاریخی، سماجی اور اخلاقی بیانیوں کو چیلنج کیا گیا ہے:

”ان کی نظر صرف اپنے دور کے سماجی تفرقات
تضادات پر ہی نہیں تھی بلکہ تاریخی دور کے پہلے
کے تضادات کی بھی وہ اچھی سمجھ رکھتے تھے۔ وہ
ایک سچے اور بے باک فن کار تھے۔ ان کے
افسانوں میں بلا کی جان ہے۔ انہوں نے جو کچھ
لکھا وہ خلوص اور ایمانداری سے لکھا“۔(۲)

منٹو کا اسلوب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ وہ تاریخ کو سرکاری یا فاتحانہ زاویۂ نظر سے نہیں بلکہ حاشیے پر موجود کرداروں، شکست خوردہ انسانوں اور دبے ہوئے طبقات کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس طرح اس کے افسانے محض ادبی تخلیق کے دائرے تک محدود نہیں رہتے بلکہ ایک متبادل تاریخی اور سماجی بیانیہ بھی تشکیل دیتے ہیں، جو طاقت، سیاست، جنس اور طبقے کے باہمی تعلقات کو بے نقاب کرتا ہے۔ ان کے ہاں انسان نہ تو محض مجسمہ اچھائی ہے اور نہ ہی مطلق گناہ گار، بلکہ وہ ایک پیچیدہ، متناقض اور تاریخی حالات کا اسیر ایک ایسا وجود ہے جو اپنے عہد کی طاقتور ساختوں کے اندر جدوجہد کرتا نظر آتا ہے۔ یوں منٹو کا افسانوی ادب نہ صرف بیسویں صدی کے برصغیر کی سماجی اور تاریخی حقیقتوں کا آئینہ دار ہے بلکہ نوتاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ غالب بیانیے کے مقابل ایک مزاحمتی اور متبادل تاریخی شعور بھی تشکیل دیتا ہے، جو ادب اور تاریخ کے باہمی رشتے کو نئی جہتوں سے روشن کرتا ہے۔

سرکاری تاریخ میں تقسیمِ ہند کو عموماً آزادی اور سیاسی کامیابی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور اس سنگین سانحے کے منفی پہلوؤں، نقصانات اور اس میں موجود انسانی المیے کو یا تو یکسر نظرانداز کر دیا جاتا ہے یا بہت کم دکھایا جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس منٹو کے افسانے اس تاریخی واقعے کو انسانی نقطۂ نظر، اجتماعی تشدد، بے گھری، مہاجرین کے دکھ اور نفسیاتی انتشار کے تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تقسیمِ ہند صرف ایک جغرافیائی تقسیم ہی نہیں بلکہ ایک ایسا انسانی المیہ تھا جس کے اثرات عام لوگوں

اور کمزور طبقات اپر سب سے زیادہ مرتب ہوئے۔اسی طرح فرقہ وارانہ فسادات اور طبقاتی استحصال کے موضوعات پر بھی منٹو کا بیانیہ ریاستی یا اشرافی نقطۂ نظر کے بجائے اُن افراد، خاندانوں اور گروہوں کی روزمرہ زندگی اور جدوجہد سے جڑا ہوتا ہے جو تاریخی بیانیوں میں اکثر نظرانداز ہو جاتے ہیں یا نظرانداز کر دیے جاتے ہیں۔ان کے افسانے دکھاتے ہیں کہ طاقت کے کھیل میں معمولی انسان کس طرح اپنے جذبات، شناخت اور بقا کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔اسی طرح ان کے افسانوں میں جنسیت بھی محض اخلاقی انحراف یا نجی ذاتی معاملہ نہیں، بلکہ یہ طاقت، جبر، سماجی اور اقتصادی ڈھانچوں کے ساتھ مربوط ایک تاریخی اور سماجی حقیقت کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔اس کے کردار اپنی جنسی خواہشات اور کشمکش میں معاشرتی تعصبات، طبقاتی عدم مساوات اور تاریخی حالات کے اثرات کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔یوں منٹو کے بیانیے میں انسان، جنس اور معاشرہ ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ ایک متوازی، پیچیدہ اور نوتاریخی معنویت کے حامل فریم میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

منٹو کا یہ تخلیقی اور حقیقت پسندانہ رویہ انہیں سرکاری، غالب یا فاتحانہ تاریخی بیانیے کے مقابل ایک متوازی، مزاحمتی اور تنقیدی بیانیہ پیش کرنے والا ادیب بنا دیتا ہے۔ان کے افسانے تمام ریاستی، سیاسی اور سماجی دعووں کٹہرے میں لا کھڑا کرنے والے متون ہیں۔وہ ظاہر کرتے ہیں کہ تاریخ صرف حکمرانوں، فاتحین یا مقتدر طبقے کی کہانی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک عام انسان کے ذاتی تجربات، المیے، دکھ، جدوجہد اور مزاحمتوں کا بھی عمیق مجموعہ ہوتا ہے۔ان کے افسانے ایک ایسا فریم ورک فراہم کرتے ہیں جو غالب بیانیے کی حدود کو توڑ کر حاشیے پر موجود لوگوں کی آواز، دکھ اور جدوجہد کو بھی تاریخی معنویت عطا کرتے ہوئے معاشرتی طاقت کے ڈھانچوں، طبقاتی استحصال، فرقہ وارانہ فسادات اور نفسیاتی انتشار کے اثرات کو نہایت واضح انداز میں اجاگر کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ تاریخ ایک متحرک اور متنوع تجرباتی حقیقت ہے، نہ کہ ایک جامد یا یک جہتی روایت۔یہی وجہ ہے کہ منٹو کے افسانے نوتاریخی مطالعے کے لیے نہایت اہم اور معتبر متون قرار پاتے ہیں کیوں کہ وہ ادب اور تاریخ کے باہمی تعلق، طاقت کے سماجی و سیاسی ڈھانچوں اور متوازی تاریخی بیانیوں کی تشکیل کو نہ صرف واضح بلکہ معنی خیز انداز میں سامنے لاتے ہیں۔ان کا بیانیہ قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ تاریخ کی تفہیم صرف دستاویزی حقائق یا حکومتی بیانات تک محدود نہیں، بلکہ انسانی تجربات، تناؤ اور مزاحمتوں کے شعوری اور لاشعوری پہلوؤں کو بھی اس میں شامل کرنا لازمی ہے۔

منٹو کا تاریخی شعور روایتی معنوں میں کسی رسمی یا علمی مورخ کے شعور سے مختلف ہے۔وہ تاریخ کو محض واقعات، تاریخوں، سیاسی فیصلوں یا حکومتی بیانات کے سلسلے کے طور پر نہیں دیکھتے، بلکہ اسے ایک تخلیقی، حساس اور تجربہ پسند فنکار کے نقطۂ نظر سے سمجھتے اور پیش کرتے ہیں۔منٹو کے نزدیک تاریخ صرف ایک بیرونی اور تجریدی حقیقت نہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کے وجودی اور نفسیاتی تجربات کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔یوں منٹو کے ہاں تاریخ ایک زندہ اور متحرک وجود ہے، جو صرف ماضی کے حقائق کی تفصیل نہیں بلکہ انسانی رویّوں، معاشرتی تضادات اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا عکاس بھی ہے۔ان کے افسانے قاری کو یہ

شعور دیتے ہیں کہ تاریخ اور ادب ایک دوسرے کے ساتھ گہرے رشتے میں بندھے ہیں، اور حقیقی تاریخی فہم کے لیے صرف سرکاری یا غالب بیانیوں پر انحصار کافی نہیں بلکہ انسانی تجربات اور مظالم کو بھی سمجھنا ضروری ہے:

> ''منٹو کے افسانوں میں تاریخ اور سماج کی عکاسی ایک گہرے اور حقیقت پسندانہ آئینے کی مانند ہے۔ منٹو نے محض تاریخی واقعات کو نہیں بلکہ ان واقعات کے انسانی نفسیات اور معاشرے پر پڑنے والے گہرے اثرات کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ ان کا سب سے نمایاں تاریخی اور سماجی فریم ورک تقسیمِ ہند ہے''۔(۳)

نوتاریخی تناظر میں منٹو کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے افسانوں میں تاریخ پاگل خانے کے مریضوں، طوائفوں، کوچوانوں، فسادات کے متاثرین اور عام شہریوں کے ذاتی تجربات، دکھوں، مشکلات اور جدوجہد کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ اس طرح وہ تاریخ کو طاقت اور مقتدرہ کے مراکز سے نکال کر سماجی حاشیے پر موجود افراد کی زندگیوں میں منتقل کر دیتے ہیں اور قاری کو یہ شعور دیتے ہیں کہ تاریخی واقعات کا اثر صرف رسمی یا سرکاری سطح پر نہیں بلکہ عام انسان کی روزمرہ زندگی، نفسیات، جسمانی تجربات اور معاشرتی تعلقات پر بھی پڑتا ہے۔ یوں منٹو ایک ایسی متوازی تاریخ تشکیل دیتے ہیں جو ریاستی بیانیے کے یکطرفہ اور فاتحانہ زاویے کے مقابل انسانی تجربات، مظالم اور مزاحمتوں کو بھی معنویت عطا کرتی ہے:

> ''سعادت حسن منٹو کے افسانوں کا سب سے نمایاں اور اہم موضوع ''عام آدمی'' ہے۔ منٹو نے اشرافیہ، نوابوں یا خیالی کرداروں کی بجائے معاشرے کے پسے ہوئے، نظر انداز کیے گئے اور عام انسانوں کو اپنے افسانوں کا مرکزی کردار بنایا۔ ان کے یہاں عام شخص کی زندگی کی حقیقت، اس کی نفسیات اور سماجی مسائل کی عکاسی انتہائی بے باکی کے ساتھ ملتی ہے''۔(۴)

منٹو کا یہ تخلیقی اور حقیقت پسندانہ رویہ نوتاریخیت کے اس بنیادی تصور کی عملی تصویر پیش کرتا ہے کہ تاریخ صرف غالب یا حکمران طبقات کی تحریر کردہ داستان نہیں بلکہ مختلف متوازی اور متنوع بیانیوں کا مجموعہ ہے اور ان کے افسانوں میں یہ تاریخ ایک تجریدی تصور کے بجائے انسانی تجربے کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے، جہاں بڑے تاریخی واقعات عام انسان کے جسم، ذہن اور روزمرہ زندگی پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ جیسے کہ افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کا یہ جملہ کہ ''کئی برسوں سے پاگل خانے میں یہ بحث چل رہی تھی کہ پاکستان کب بنے گا'' ایک معنی خیز جملہ ہے جو کہ درپردہ کئی معنی رکھتا ہے۔ اسی افسانے میں بشن سنگھ کا سوال کہ ''میری زمین کہاں ہے'' ریاستی قومیت کے بیانیے کے مقابل فرد کی ذاتی اور وجودی تاریخ کو سامنے لاتا ہے۔ جہاں زمین اور شناخت سرحدوں اور نظریات سے زیادہ اہم ہو جاتی ہیں۔ نوتاریخی تناظر میں یہ سوال سرکاری تاریخ کے مقابل ایک متوازی انسانی بیانیہ تشکیل دیتا ہے۔

اسی طرح ''افسانہ کھول دو'' میں سکینہ کا یہ عمل کہ ''سکینہ نے چپ چاپ اپنی شلوار کا ناڑا کھول دیا'' صرف ایک ذاتی اور غیر ارادی فعل نہیں بلکہ تقسیم کے دوران عورتوں پر ہونے والے ظلم و ستم اور تشدد کی بھرپور علامت ہے۔ نوتاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہاں عورت کا جسم محض ایک فردِ واحد کا جسم نہیں رہتا بلکہ وہ اس دور کے جبر، طاقت اور ظلم کی عکاسی کا نشان اور واضح ثبوت بن جاتا ہے۔ منٹو اس منظر کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ تقسیم کی تاریخ صرف سیاسی آزادی اور سرحدوں کی تبدیلی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کے پیچھے عورتوں کے دکھ، تکلیف اور ان پر ہونے والے ظلم و ستم اور تشدد کی ایک المناک تاریخ بھی موجود ہے۔

افسانہ ''نیا قانون'' میں منگو کوچوان کی یہ امید کہ نئے قانون کے آنے سے اس کی زندگی اور پورا نظام بدل جائے گا، دراصل عام لوگوں کی اس سوچ کی عکاسی کرتی ہے جو نوآبادیاتی دور میں قانون اور حکومت کے بارے میں پائی جاتی تھی۔ منٹو یہ دکھاتے ہیں کہ عام آدمی اکثر ریاستی قانون سے اپنے تحفظ، انصاف اور بہتری کی امیدیں وابستہ کیے ہوتا ہے لیکن حقائق کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ بظاہر ایسے قوانین تشکیل تو دیے جاتے ہیں اور قانون و انصاف کی بالادستی کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے مگر وہ سب ''دکھاوا'' ہوتا ہے، طاقت کے اصل مراکز اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ اس طرح منٹو واضح کرتے ہیں کہ صرف قوانین بدلنے سے معاشرہ نہیں بدلتا، کیوں کہ طاقت، اختیار اور سماجی ناانصافی کے مضبوط بت اپنا طریقہ بدل کر بھی اپنا اثر برقرار رکھتے ہیں۔

منٹو کے نوتاریخی شعور کی وسعت ان کے دوسرے افسانوں میں بھی نظر آتی ہے، جہاں وہ تاریخ کو عام انسان کی روزمرہ زندگی، معاشی مشکلات اور سماجی حالات کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ افسانہ افسانہ ''دس روپے'' یں سراج الدین اور شامی کی غربت اور محرومی کے ذریعے اس معاشی نظام کی تصویر سامنے آتی ہے جس میں عام انسان مسلسل مشکلات کا شکار رہتا ہے۔ شامی کا یہ کہنا کہ ''دس روپے مل جائیں تو ساری دنیا بدل جائے'' اس خواہش کو ظاہر کرتا ہے کہ معمولی سی مالی مدد اس کی زندگی مکمل طور پر بدل

دے گی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ بڑے معاشی اور سماجی نظام صرف چھوٹی تبدیلیوں سے نہیں بدلتے۔معاشرے کے کسی فرد کی وقتی خوشی یا معمولی بہتری کے باوجود طاقت اور دولت کے بڑے ڈھانچے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔

اسی طرح افسانہ ''شریفن'' میں فرقہ وارانہ فسادات کے دوران ایک عام عورت کی دردناک کہانی سامنے آتی ہے۔جب کہا جاتا ہے کہ ''وہ شریفن تھی مگر حالات نے اسے کچھ اور بنا دیا'' واس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ایک عورت بدل گئی، بلکہ یہ بھی ہے کہ حالات انسان کی زندگی اور شخصیت کو بدل سکتے ہیں۔نوتاریخیت کے مطابق انسان کے خیالات، فیصلے اور شناخت صرف اس کی اپنی مرضی سے نہیں بنتے بلکہ اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات بھی ان پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔منٹو شریفن کے کردار کے ذریعے یہ دکھاتے ہیں کہ تاریخ صرف بڑی سیاسی تبدیلیوں کا نام نہیں، بلکہ عام لوگوں کی زندگی، ان کے دکھ، ان کے فیصلوں اور ان کے تجربات میں بھی نظر آتی ہے۔

اسی طرح افسانہ ''ہتک'' میں سوگندھی کا یہ اعتراف کہ ''میں بھی انسان ہوں'' جنس اور طبقاتی تفاوت کے تاریخی بیانیوں کو چیلنج کرتا ہے۔سوگندھی کا کردار سماج کے حاشیے پر موجود عورت کی متوازی تاریخ کی نمائندگی کرتا ہے، جو سرکاری اور غیر سرکاری تاریخ سے خارج کر دی جاتی ہے۔منٹو یہاں طوائف کو ایک ایسے انسانی کردار کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کی زندگی سماجی، معاشی اور صنفی طاقت کے نظاموں سے متاثر ہوتی ہے۔نوتاریخی تناظر میں سوگندھی کی آواز اس پسماندہ طبقے کی آواز بن جاتی ہے جسے تاریخ کے روایتی بیانیوں میں جگہ نہیں دی گئی۔اس کردار کے ذریعے منٹو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ معاشرے کے طاقت ور طبقات اپنی اقدار اور نام نہاد اصولوں کے ذریعے کمزور طبقات کی شناخت متعین کرتے ہیں۔سوگندھی کی یہ محرومی اس تاریخی حقیقت کو بھی سامنے لاتی ہے کہ عورت، خاص طور پر نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والی عورت، کس طرح سماجی طاقت کے ڈھانچوں میں اپنی انسانی شناخت کے لیے جدوجہد کرتی رہی ہے۔

مندرجہ بالا افسانوں کے علاوہ منٹو کے کئی دیگر افسانے بھی ان مباحث میں شامل کیے جا سکتے ہیں، جن میں وہ تاریخ کو صرف ریاستی بیانیے، قومی سیاست یا روایتی مورخ کے نقطۂ نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ عام انسان کے روزمرہ تجربات، معاشی مشکلات، سماجی محرومیوں، صنفی مسائل اور ذاتی دکھوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔نوتاریخی تناظر میں ان کے بیشتر افسانے اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ تاریخ صرف بادشاہوں، حکمرانوں، سیاسی واقعات یا طاقت ور طبقات کی کہانی نہیں ہوتی بلکہ عام انسانوں کی زندگیوں میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے واقعات بھی تاریخ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔منٹو ان کرداروں کو اپنی کہانیوں کا مرکز بناتے ہیں جو عموماً تاریخ کے بڑے بیانیوں میں نظر انداز کر دیے جاتے ہیں، جن میں بالخصوص غریب لوگ، مزدور، عورتیں، مہاجرین، سماجی طور پر محروم افراد اور حاشیے پر زندگی گزارنے والے انسان شامل ہوتے ہیں۔ان

Tarjihaat جولائی۔اگست۔ستمبر ۲۰۲۶
Volume: VII July, Agust. Sept 2026
Issue: VII,VIII,IX
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
Online Research Jornal
WORLD URDU RESEARCH & PUBLICATION CENTRE
WURNP

کے ذریعے وہ تاریخ کے ان پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں جو سرکاری دستاویزات یا روایتی تاریخی بیانیوں میں جگہ نہیں پاتے۔اس طرح منٹو کے افسانے طاقت کے مراکز کے بجائے عام انسان کے تجربے کو اہمیت دیتے ہیں اور غالب تاریخی بیانیے کے مقابل ایک متوازی انسانی تاریخ تشکیل کرتے نظر آتے ہیں، جس میں اس عہد کی اصل سچائی، عام طبقے کے مسائل اور دیگر معاشرتی حقائق زیادہ واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔

حوالہ جات

1.https://www.google.com/search?qA&sourceid=chrome&source=chrome.ob&ie=UTF-8

2.www.urdunotes.com/اردو کے افسانہ نگار2026.16.7 visited dated..../

3. -do-

4.https://www.google.com/search?qvIbQ&sourceid=chrome&source=chrome.ob&ie=UTF-8